اغنیاء کے اموال میں فقراء کا حق

حافظ محمد سعد اللہ

مندرجہ بالا عنوان کی وضاحت اور اس عنوان میں درج دعویٰ کے اثبات سے قبل اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مال و دولت کی جو اضافت اغنیاء اور دولت مندوں کی طرف ہے شرعی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصلیت کیا ہے اور کسی بھی چیز پر انسان کی ملکیت اور اس کے تصرف کی اسلام میں حقیقت کیا ہے؟ بعد ازیں اس چیز کا جائزہ لیں گے کہ شریعت نے اغنیاء کے مال میں فقراء کا حق کیوں اور کن مصالح کے تحت رکھا ہے؟ کن حالات میں رکھا ہے؟ اور یہ حق اغنیاء کے مال سے کس طرح اور کن شکلوں میں وصول کیا جائے گا۔

مال و دولت اور ملکیت کی حقیقت:

شریعت اسلامیہ کے اولین اور بنیادی مآخذ قرآنِ مجید کی تصریحات کے مطابق مال و دولت خواہ کسی شکل میں ہو، اللہ کریم کا پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ کائنات کی کوئی چیز حتیٰ کہ اس کا ایک حقیر ذرہ بھی بنیادی طور پر انسان کی مِلک نہیں۔ دوسری اشیاء کا کیا ذکر خود اپنی ذات پر بھی انسان کو اس قسم کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں کہ وہ اپنے جسم و جان کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے کرے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔ اس کے مالکانہ حقوق جن چیزوں پر بھی ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے ہیں۔ اس کی اپنی جان، جسم اور قوتیں، زمین کھیت گھر بار اس کا سارا مال اور اس کی تمام املاک اللہ کی طرف سے اسے امانتاً سپرد کی گئی ہیں۔ وہ ہر قسم کے اموال و مقبوضات کا امین اور کیشیئر ہے نہ کہ خود مختار مالک۔ اپنے قبضے میں کل مال و دولت اور جملہ اشیاء پر اس کی ملکیت مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔

سورۃ المؤمنون میں قرآنِ مجید کا ارشاد ہے:

قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون ٥ سیقولون للهِ

(سورۃ المؤمنون: ۸۴۔۸۵)

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

''(اے محبوب!) آپ پوچھیں کہ زمین اور اس کی ساری موجودات کس کی مِلک ہیں؟ بتاؤ اگر تمہیں علم ہے؟ تو وہ جواب دیں گے سب کچھ اللہ کا ہے۔''

پھر تھوڑا سا آگے چل کر فرمایا:

قل من بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ.......... سیقولون لِلّٰہِ (سورۃ المؤمنون: ۸۸)

''پوچھئے کہ ساری چیزوں کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے.....تو وہ کہیں گے کہ اللہ کے ہاتھ میں۔''

سورۃ بقرہ میں فرمایا:

لِلّٰہِ ما فی السموت وما فی الارض (سورۃ البقرہ: ۲۸۴)

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

سورۂ نور میں ارشاد ربانی ہے:

و اتوھم من مال اللہ الذی اتاکم. (سورۂ نور: ۳۳)

''اور انہیں (غلاموں کو) اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔''

یہاں مال کی اضافت اللہ کی طرف کر کے یہ حقیقت تازہ اور ذہن نشین کرا دی کہ یہ مال تمہارا اپنا ہے کب؟ جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ ہی کا تو ہوگا۔

القرانُ یُفَسِّر بَعْضُہ' بَعْضًا. ''(قرآن کا بعض خود اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے)۔'' کے مطابق اس کی وجہ بھی قرآنِ مجید نے ایک دوسری جگہ بڑے منطقی اور عقلی انداز میں بتا دی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہی تو کر سکتا ہے کہ عمل پیدائش میں اپنی کوشش صرف کرے لیکن اس کوشش کو بارآور کرنا اور اس سے پیداوار کا مہیا کرنا خدا کے سوا کون کر سکتا ہے؟ انسان کے بس میں اتنا ہی تو ہے کہ وہ زمین میں بیج ڈال دے پھر اس بیج کو کونپل اور کونپل کو درخت بنانا تو کسی اور ہی کا کام ہے۔ ارشاد ہے:

افرءیتم ما تحرثون ٥ ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ٥

''اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم ہیں (اس کے) اگانے والے۔''

ظاہر ہے زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانہ کو نشوونما دے سکے، دانہ میں یہ استعداد کہ مٹی

سے نمو حاصل کر سکے، گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادہ کی قابلیت ان سب کو قوت سے فعل میں لانا۔ مناسب وقت پر مناسب مقدار میں بارش، اوقات مقرر پر مقدار مقرر میں آفتاب کی تابش غرض نظامِ زراعت کی ساری مشینری اور عوامل کو حرکت میں لانا اللہ کا کام ہے نہ کہ بندے کا۔

سورۂ یٰسین شریف میں ہے:

لیأکلوا من ثمرہٖ وما عملته ایدیهم افلا یشکرون ○ (سورۃ الحدید: ۶۳۔۶۴)

''(ہم نے زمین میں چشمے جاری کئے) تاکہ وہ درختوں کے پھل کھائیں حالانکہ یہ پھل ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے سو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔''

اس آیت کریمہ میں ''وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ'' کا جملہ بڑا قابل غور ہے۔ ساری دنیا خدائی قدرت و انتظام سے الگ ہو کر، اگر مل کر بھی کوشش کرے کہ تخم ریزی و آبپاشی کے نتائج غلہ، پھل وغیرہ کی شکل میں حاصل کرے تو ممکن نہیں۔ یقیناً ان مسببات کو انہیں نتائج کی صورت میں ظاہر کرنا خاص الخاص قدرت خداوندی ہے۔ اس اظہر من الشمس حقیقت کا بھی انسان اگر اعتراف نہ کرے تو اس سے بڑھ کر منعم حقیقی کی ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔

ملکیت بطور نائب:

پھر سورۃ الحدید کی ایک آیت میں بالکل واضح اور صاف صاف لفظوں میں فرما دیا گیا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے۔ اس میں اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ اصل مالک کی۔ فرمایا:

و انفقوا مما جلکم مستخلفین فیه. (سورۃ یٰسین: ۲۵)

''اور اس مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں (اپنا) نائب وخلیفہ بنایا ہے۔''

مندرجہ بالا آیات بالخصوص سورۃ الحدید کی یہ آیت اس بات میں واضح نص ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت، زر، زمین، منقولہ وغیرہ منقولہ املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے، انسان محض نائب کے طور پر ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔ ظاہر ہے نائب وخلیفہ کا تصرف انہی حدود کے اندر اور انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہئے جو مالک حقیقی نے مقرر کر دیئے ہوں۔ نائب کو

وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل مالک کے ہوں اور اسے ان ذمہ داریوں کو بھی ادا کرنا ہوگا جو مالک نے اس پر عائد کی ہیں۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس مفہوم کو یوں ادا فرمایا ہے:

ان الاموال التی فی ایدیکم انما ھی اموال اللہ بخلقه و انشائه لها ثم انه تعالٰی جعلها تحت ید المکلف و تحت تصرفه لینتفع بها علی وفق اذن الشرع فالمکلف فی تصرفه فی ھذا الاموال بمنزلة الوکیل والنائب والخلیفة فوجب ان یسهل علیکم الانفاق من تلک الاموال کما یسهل علی الرجل النفقة من مال غیرہ اذا اذن له فیه. (۲)

''بیشک وہ تمام اموال جو تمہارے ہاتھوں (قبضے) میں ہیں بلاشبہ وہ اللہ کے اموال ہیں کیونکہ اسی نے ان کو پیدا فرمایا ہے پھر اس نے ان اموال کو مکلف (انسان) کے ہاتھ اور تصرف میں کر دیا تاکہ وہ (انسان ان سے شریعت کے اذن کے مطابق نفع اٹھائے پس انسان ان اموال کے اندر اپنے تصرف میں بمنزلہ وکیل نائب اور خلیفہ کے ہے جب ملکیت کی حقیقت یہ ہے تو ضروری ہے کہ تم پر ان اموال میں سے خرچ کرنا آسان ہو جیسا کہ آدمی پر اپنے غیر کے مال میں سے خرچ کرنا آسان ہوتا ہے جب کہ وہ اسے اس میں سے خرچ کرنے کی اجازت دے۔

آزاد اور خودمختار ملکیت کی مذمت:

مال و دولت کی اصل حقیقت جب معلوم ہوگئی تو پتہ چلا کہ شریعت میں انسان کے مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ مقید ہیں۔ چنانچہ انسان کو اپنی زیر تصرف اشیاء پر ''ملکیت'' تو حاصل ہے مگر یہ ملکیت آزاد خودمختار اور بے لگام نہیں۔ اس پر دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ حدود و قیود اور پابندیاں عائد ہیں مالکانہ تصرف کے باب میں خود کو پوری طرح آزاد سمجھنا گمراہ قوموں اور بگڑے ہوئے افراد کا شعار قارونی فکر اور غیر مؤمنانہ سوچ ہے۔ قرآنِ مجید نے قومِ حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے اس سوچ اور نظریے کا مذمت کے پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور اس طرح تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کر کے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو انہوں نے کہا۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

یشعیب اصلوتک تأمرک ان نترک ما یعبد اباء نا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء. (سورۃ ہود: ۸۷)

''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں اسی بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباء واجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کر دیں۔''

یہ لوگ چونکہ ''اموال'' کو حقیقتاً ''اپنا'' (اموالنا) سمجھتے تھے اس لئے "نَفْعَلُ مَا نَشَآءُ" (جو چاہیں کریں) کا دعویٰ اور سوچ اس کا لازمی نتیجہ تھا یہی فکر سرمایہ داری کی روح ہے اور قرآنِ کریم نے جیسا کہ پیچھے گزر چکا، سورۂ نور میں اپنے اموال "اموالنا" کے لفظ کو "مال اللہ" (اللہ کا مال) کے الفاظ سے بدل کر سرمایہ دارانہ سوچ کی اسی بنیاد پر ضرب لگائی ہے مگر اس کے ساتھ ہی "الَّذِیْ اٰتَاکُمْ" (جو اس نے تمہیں دیا ہے) فرما کر اشتراکیت کی جڑ بھی کاٹ دی ہے جو سرے سے انسان کی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے اس کے برعکس اسلام اموال پر انسان کی ملکیت کا قائل تو ہے مگر بے لگام اور آزاد ملکیت کا نہیں۔ اسلام میں اس پر مال و دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ پابندیاں عائد ہیں جس جگہ وہ اس دولت کو خرچ کرنے کا حکم دے، وہاں اس کے لئے ایک نائب اور امین کی طرح خرچ کرنا لازمی ہے اور جہاں خرچ کرنے کی ممانعت فرما دے وہاں رک جانا ضروری ہے۔

قرآنِ مجید قارون کا قصہ سنا کر آگاہ کرتا ہے کہ دنیوی مال و متاع کو الٰہی ہدایت سے بے نیاز ہو کر برتنے کا انجام بہت برا ہے۔ ذیل کی آیات اس ذہنیت کی عکاسی کرتی ہیں جس کو شریعت مٹانا چاہتی ہے اور ساتھ ہی ان آیات میں مطلوبہ ذہنیت کی طرف رہنمائی بھی ہے۔

ان قارون کان من قوم موسٰی فبغٰی علیھم و اتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ اذ قال لہ' قومہ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین o وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الأخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ط ان اللہ لا یحب المفسدین o قال انما اوتیتہ علی علم عندی.

''بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم کا فرد تھا لیکن اس نے ان کے خلاف متکبرانہ روش اختیار کی۔ ہم نے اسے اتنے خزانے عنایت فرمائے تھے کہ اس کی کنجیاں ایک طاقتور

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

جماعت کو گرانبار کر دیتی تھیں۔ (اس کے استکبار کا یہ عالم تھا کہ) جب اس کی قوم نے اس سے کہا ''اترا مت اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جو کچھ اللہ کریم نے تجھے عطا فرما رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت (کی بھلائی) طلب کر اور اس دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔ جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی (دوسرے انسانوں کے ساتھ) احسان کر۔ اور زمین میں (اپنے اس رویے سے) فساد نہ چاہ بلاشبہ اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' تو وہ بولا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اپنے ذاتی علم ولیاقت اور ہنرمندی کی بنا پر ہی ملا ہے۔

اس آیت نے اسلام کے فلسفۂ ملکیت کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے کہ

الف۔ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وہ اللہ کا عطا کردہ ہے (اٰتَاکَ اللّٰہُ).

ب۔ چونکہ مال و دولت اللہ کا دیا ہوا ہے لہٰذا اس پر انسان کا تصرف حکم خداوندی کے تابع ہوگا۔

اب حکم خداوندی کی دو شکلیں ہیں۔

ایک یہ کہ وہ انسان کو اس بات کا حکم دے کہ مال کا کچھ حصہ کسی دوسرے کو دیدے۔ اس کی تعمیل اس لئے ضروری ہے کہ اللہ نے اس پر احسان کیا ہے تو وہ اسے دوسرے ضرورتمندوں اور حاجتمندوں پر احسان کا حکم دے سکتا ہے۔ (وَ اَحۡسِنۡ کَمَا اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ)۔

دوسری شکل یہ ہے کہ وہ انسان کو اس دولت کے تصرف سے روک دے اس کا بھی اس کو اختیار ہے کیونکہ وہ اسے دولت کے کسی ایسے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں اور زمین و معاشرے میں شر و فساد پھیلے۔ (وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ)۔

معیشت میں انصاف اور مؤاسات نہ کہ مساوات:

قبل اس کے کہ یہ عرض کیا جائے کہ اغنیاء کے مال و دولت میں مال و دولت کے اصل اور حقیقی مالک (اللہ) نے غرباء و مساکین مفلسوں تیموں، اپاہجوں ضرورت مندوں حاجتمندوں، تیموں، بیواؤں، محروم المعیشت لوگوں اور معاشی زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کا لازمی حق رکھا ہے، یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام میں اغنیاء اور فقراء کی یہ درجہ بندی اور تقسیم کیوں ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے اسلام اپنے احکام و قوانین میں کہیں بھی فطری چیزوں کو مٹانا نہیں چاہتا۔ فطرت اور طبیعت کو جہاں بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جائے گی اس کا انجام انسانی

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

معاشرے کے لئے نقصان دہ ہی ثابت ہوگا۔ معیشت میں لوگوں کے درمیان تفاوت یعنی کسی کا دولت مند ہونا اور کسی کا حاجتمند، کسی کا امیر ہونا اور کسی کا غریب کسی کا غنی ہونا اور کسی کا فقیر یہ تکوینی مصالح کے تحت ہے نہ کہ تشریعی مصالح کے تحت سورۃ الانعام کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔

و هو الذی جعلکم خلئف الارض و رفع بعضکم فوق بعض ط درجتٍ لیبلوکم فی ما اتاکم.

"(اور وہ (اللہ کریم) وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رتبے دوسرے پر بلند کئے تا کہ وہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں)۔"

یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے کہ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار کوئی نادار، اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بتا دی گئی ہے کہ فرقِ مراتب سے مقصود انسانوں کی آزمائش کرنا ہے کہ جس آدمی کو اللہ کریم نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں وہ کہاں تک اپنے مالک کے کہنے اور اس کی مرضی پر ان نعمتوں کو کام میں لاتا ہے اور جسے کسی تکوینی مصلحت کے تحت کوئی چیز کم دی گئی ہے وہ اس پر کہاں تک صابر و شاکر اور قانع رہتا ہے اور کس حد تک حسد کی آگ سے بچا رہتا ہے۔ ہم تکوینی نظام کے مکلّف نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے آخری رسول کے عطا کردہ "تشریعی نظام کے مکلّف ہیں تشریعی احکام ہی سے ہمیں اللہ کی پسند اور ناپسند کا پتہ چلتا ہے۔ اب شریعت میں "درجات معیشت" میں تو فرق کی گنجائش ہے مگر "حق معیشت" میں تفاوت و فرق کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ "حق معیشت" میں مساوات قائم رکھنے کے لئے شریعت نے اللہ کے نائب یعنی خلیفہ کو بہت سے اختیارات دیئے ہیں، جن کو بروئے کار لا کر وہ اس مساوات کو قائم رکھے گا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے قیامت تک زمین کو انسانوں کے ذریعے ہی آباد رکھنا ہے۔ دنیا کی اس آبادی، چہل پہل، رنگا رنگی، حسن اور انتظام کے لئے بھی عقلی طور پر لازمی ہے کہ لوگوں کے درمیان رزق اور معیشت کے معاملے میں تفاوت قائم رہے ورنہ اس نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس چیز کی طرف اشارہ قرآنِ مجید نے یوں فرمایا ہے:

نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوٰة الدنیا و رفعنا بعضهم فوق بعض ط درجت لیتخذ بعضهم بعضاً سخریاً. (سورۃ الزخرف:۳۲)

''ہم نے ہی ان کے درمیان ان کی دنیوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔''

ظاہر ہے لوگوں کا رزق میں ایک دوسرے پر تفوق صلاحیتوں اور قابلیتوں میں تفوق و برتری کی مانند ہے۔ جس طرح انسانوں میں بعض پست قد ہیں اور بعض دراز قد، بعض بدصورت ہیں اور بعض خوبصورت، بعض محنتی ہیں اور بعض کام چور و بے کار، بعض کند ذہن ہیں اور بعض زیرک، بعض کمزور ہیں اور بعض طاقتور اسی طرح بعض تنگدست ہیں اور بعض کشادہ رزق اور یہ بات اس دنیاوی زندگی کے مزاج و فطرت کے عین مطابق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ارادہ واختیار کی قوت دے کر اسے ابتلاء و امتحان میں ڈالا ہے جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسانوں میں رزق کے معاملے میں فرق مراتب ہو۔ المختصر مال کی کمی بیشی کسی ذاتی زوال و کمال کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی تقسیم کردہ معیشت میں بندوں کا پرچہ امتحانی ہے۔ احساس ذمہ داری کا امتحان، اجتماعی اخوت کا امتحان۔ خدا کے بندوں تک ان کا گم شدہ حصہ رزق پہنچانے کی دیانت کا امتحان اور یہ امتحان کہ کمی پر صبر کرنے والے اور بیشی پر شکر کرنے والے اور ان دونوں جذبوں کا حق ادا کرنے والے کون لوگ ہیں۔

اس سلسلے میں معروف ہندی محدث علی متقی نے کنز العمال میں ایک بڑی ایمان افروز اور حقیقت نما روایت نقل کی ہے کہ:

> ''اللہ کریم نے حضرت موسیٰ بن عمران کی طرف وحی نازل فرمائی...... فرمایا اے موسیٰ! میں نے فقیروں اور غریبوں کو (غربت و افلاس میں) اس لئے مجبور نہیں کیا ہے کہ میرا خزانہ ان کے لئے تنگ ہے اور میری رحمت میں ان کے لئے گنجائش نہیں بلکہ یہ چیز اس وجہ سے ہے کہ میں نے مالداروں کے مال میں غرباء کے لئے اتنا فرض قرار دیا ہے جو ان کے لئے کافی ہو۔ میں نے ارادہ کیا کہ مالداروں کی آزمائش کروں کہ غریبوں کے لئے ان کے مال میں، میں نے جو کچھ واجب کیا ہے اس کے بارے میں ان کی روش کیسی ہے کیونکہ میں نے ان پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دنیا میں ان کے لئے کئی گنا اضافہ کیا کم از کم ایک نیکی کا صلہ دس گناہ۔''

علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

اے موسیٰ! غریبوں کے لئے خزانہ بن کر کمزور کے لئے مستحکم قلعہ اور پناہ چاہنے والے کے لئے پناہ دینے والے بن کر رہو گے تو ہر سختی میں، میں تمہارا ساتھی اور تنہائی میں تمہارا انیس وغمخوار ہوں گا اور ہمیشہ تمہاری نگرانی وحفاظت کروں گا۔" (۱)

اسلام میں درجاتِ معیشت کے اندر بعض تکوینی مصالح کے تحت فرق ضرور ہے مگر حق معیشت میں اسلام انصاف مؤاسات، ہمدردی اور غمخواری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف افراد کے درمیان اتنا تفاوت پایا جائے کچھ لوگ تو عیش وعشرت کی زندگی گزاریں اور دوسرے لوگ خستہ حال اور پریشان ہوں اور یہ خستہ حالی، مفلسی، فاقہ کشی اور کپڑوں سے ننگے رہنے کی حد تک جا پہنچے۔ مسلم شریف میں حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ شروع دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پریشانی میں آپ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے۔ پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ خطبے میں آپ نے سورۃ نساء کی ابتدائی آیت کریمہ اور سورۃ الحشر کی آیت **"يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ"** پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب مفلس اور حاجتمند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی چاہے اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو ایک ہی کپڑا ہو ایک صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور کا ہو اس میں سے صدقہ کرے حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کھڑے ہوئے اور دھڑا دھڑ حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں کپڑوں اور کھانے کے دو ڈھیر لگ گئے۔ صحابۂ کرامؓ کے اس جذبۂ ہمدردی اور مواسات کو دیکھ کر دوسرے فقراء کی ضرورت کو اس طرح پورا ہوتے دیکھ کر

رأیت وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم یتهلل کانه مذهبة (۱)

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو

اسلام نے اس چیز کو ایمان کے ہی منافی قرار دیا ہے کہ ایک آدمی خود تو خوب سیر ہو کر کھالے اور اس کے پڑوس میں رہنے والا رات بھوکے ہی بسر کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

لیس المؤمن بالّذی یشبع و جارہ جائع الی جنبہ. رواہ البیھقی فی شعب الایمان. (۲)

''وہ شخص کامل مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا ہو۔''

یہ انسانی طبیعت اور فطرت ہے کہ ہر آدمی مالی خوشحالی، فارغ البالی اور مکان لباس خوراک وغیرہ کے معاملے میں وسعت و فراخی چاہتا ہے۔ اسلام نے ایمان کا ایک اصول اور تقاضا یہ بتایا ہے کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو جب تک وہی چیز دوسروں کے لئے بھی پسند نہیں کرو گے کامل الایمان نہیں کہلاؤ گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ. (۱)

''تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل ایماندار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔''

قرآن اپنے ماننے والوں کو جابجا ایثار، انفاق، اطعام اور ضرورت مندوں پر صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ انصار کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

و یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃٌ. (سورۃ الحشر: آیت ۹)

''اور وہ اپنی ذات کے مقابلے مہاجرین کو ترجیح دیتے اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔''

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر ابرار و مؤمنین کے بارے میں ارشاد ہوا۔

و یطعمون الطعام علی حبہٖ مسکینًا وَّ یتیمًا وَّ اسیرًا. (سورۃ الدھر: ۸)

''اور وہ کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں، یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے۔''

علاوہ ازیں متعدد آیات و احادیث میں غرباء و مساکین اور حاجتمندوں پر خرچ کرنے کی ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے۔ اور اس امر کو ''دین'' کی تکذیب کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے کہ ایک

آدمی کسی یتیم و مسکین کی دلجوئی یا حاجت براری کے بجائے اسے دھکے دے کر اپنے گھر سے نکال دے اتنا سنگدل اور بیدرد ہو کہ نہ خود انہیں کھلائے اور نہ ہی دوسروں کو اس بات پر آمادہ کرے۔

سورۃ الماعون میں ہے:

ارء یت الذی یکذب بالدین o فذالک الذی یدع الیتیم o ولا یحض علی طعام المسکین o (سورۃ الماعون:۱۔۳)

"بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے؟ سو وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کے لئے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔"

غرض اسلام اولاً اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹا کر اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، غمخواری، خیر خواہی اور مؤاسات کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایسے انسانی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں معذور و ذی استطاعت اور غرباء و امراء میں باہمی تکافل و تعاون اور ہمدردی کی ایسی فضا قائم رہے جس میں غریب و تنگدست کو اپنی غربت و افلاس کا احساس ہی نہ ہونے پائے اس کی جملہ ضروریات باحسن طریق پوری ہوتی رہیں اور اس کے دل میں امراء کے خلاف کبھی بھی آتش حسد نہ بھڑکے۔ اور اس طرح معاشرہ ایک خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کی مانند باہم مل جل کر پیار و محبت اور اطمینان و سکون سے زندگی گزارے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کمزور و نادار افراد بھوکے رہیں، اور فقراء و مساکین خورد و نوش اور لباس و رہائش کی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہیں ایک طبقہ عیش و عشرت، تعیّشات، عیاشیوں، فضول خرچیوں اور رنگ رلیوں میں مصروف ہو اسے اپنی زمینوں آمدنیوں اور دولت کا صحیح اندازہ ہی نہ ہو اور دوسرا طبقہ نانِ جویہ کو ترستا ہو مناسب خوراک لباس اور ضروری تعلیم سے بھی محروم ہو۔ ایک طبقہ کے شکاری کتوں کی خوراک کے لئے دیسی گھی ان کی مالش کے لئے بادام روغن، آرام کرنے کے لئے ریشمی رضائیاں اور علاج کے لئے اسپیشلسٹ ڈاکٹرز ہوں اور دوسری طرف غرباء و مساکین اور ان کے لختِ جگر مناسب علاج نہ کرا سکنے، معقول ڈاکٹر سے مشورہ نہ کر سکنے اور دوائی کے لئے اخراجات نہ رکھنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔ ایک گروہ کے ہر ہر فرد کے پاس سفری سہولتوں کے لئے ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں ہوں اور دوسرے لوگوں کے پاس بائیسکل تک موجود نہ ہو۔ امیر خاندانوں کے لئے میلوں میں پھیلی ہوئی محل نما فلک بوس اور

شاندار کوٹھیاں ہوں ان میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر فرد کے لئے تمام ضرورتوں اور آسائش وتعیشات سے پر علیحدہ علیحدہ کمرہ ہو۔ ڈائننگ روم الگ ہو۔ ٹی وی لان الگ ہو، اسٹڈی روم الگ ہو، تفریح کے لئے لان پارک اور باغیچے الگ ہوں، گیراج میں ہر مکین کے لئے الگ الگ گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوں۔ ان کے باورچی خانوں میں ہمہ وقت ہر موسم کے مطابق انواع و اقسام، رنگا رنگ اور مرغن قسم کے کھانے پینے کے سامان تیار ہوں۔ ان کے اٹیچی اور صندوق طرح طرح کے نفیس سوٹوں اور کپڑوں سے بھرے پڑے ہوں، ان کے گھر رات کو بھی دن کا نظارہ پیش کرتے ہوں۔ معاشی دوڑ اور تگ و دو میں ترقی کے لئے قرضے اور دیگر سرکاری مراعات ان ہی کے لئے ہوں اور ان کے مقابلے میں انہی کے شہر میں انہی کے محلے میں انہی کی بستی میں اور انہی کے ملک میں بیشمار ایسے لوگ خاندان اور گھرانے موجود ہوں جن میں دس بارہ افراد پر مشتمل خاندان کے سر چھپانے کے لئے ایک جھونپڑی تک نہ ہو۔ اور اگر کسی گھرانے کے لئے ''تین مرلہ'' یا ''پانچ مرلہ'' اسکیم کے ایریے میں کوئی چھوٹا موٹا اور ٹوٹا پھوٹا مکان ہو تو ایک ایک کمرے میں ماں باپ بچے اور شادی شدہ نوجوان میاں بیوی اکٹھے رہنے پر مجبور ہوں، جون جولائی کی گرمی اور تپش میں جب سارا دن محنت مزدوری کر کے اور سرمایہ داروں کی فیکٹریوں اور جاگیرداروں کی زمینوں میں بے گار کا خون پسینہ دے کر شام کو واپس تھکے ماندے لوٹیں تو پینے کے لئے فریجوں کی برف اور خوشذائقہ مشروبات تو کجا ٹھنڈا اور صاف پانی بھی مہیا نہ ہو۔ مرغ پلاؤ، گوشت بریانی تو بہت دور کی چیزیں ہیں انہیں روکھی سوکھی دال روٹی بھی صحیح مقدار اور مناسب معیار میں مہیا نہ ہو۔ ان کے نونہالوں کی قسمت میں علم کے حصول کی بجائے بڑوں کے حقے تازہ کرنا اور زندگی بھر جھڑکیں کھا کھا کر اور گالیاں سن سن کر مفت میں خدمت کرنا ہو ان کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے کوئی ڈھب کا لباس نہ ہو۔ سردیوں سے بچنے کے لئے ان کے لئے صرف ''لنڈا بازار'' رہ گیا ہو۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور عزت کی روٹی کمانے کے لئے ان کے واسطے سرکاری طور پر کوئی قرضہ اور رعایت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال کم از کم ایک اسلامی معاشرے میں اس چیز کی کوئی گنجائش اور جواز نہیں کہ صورتِ حال کچھ یوں ہو ۔

ہے اِدھر بھی آدمی، ہے اُدھر بھی آدمی
اس کے جوتے پر چمک اُس کے چہرے پر نہیں

فقراء کا حق:

اسلام نے اگرچہ جگہ جگہ اور بار بار اہل ثروت اور دولتمند حضرات کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی ہے۔ انہیں فقراء و مساکین، یتامیٰ، بیوگان اور نادار و کمزور لوگوں کی امداد اور فلاح و بہبود پر ابھارا ہے ان کے ساتھ مالی تعاون کی ترغیب اور شوق دلایا ہے اور اس امداد و تعاون اور کارِ خیر پر دنیا و آخرت میں بہترین صلے کا وعدہ فرمایا ہے ترغیبی اور تحریصی ہدایات سے قرآن و سنت بھرے پڑے ہیں اور اسلام نے زیادہ تر اس مقصد کو انہی ترغیبی ہدایات اور اختیاری احکام کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی ہے تاہم جس ذات نے اسلام کو بطور دین انسانوں کے لئے پسند کیا ہے وہ انسان کی خالق ہے اور وہ انسان کی نفسیات اور طبیعت و فطرت سے بھی واقف ہے کہ

ان الانسان خلق هلوعًا ٥ اذا مسه الشر جزوعًا ٥ و اذا مسه الخير منوعًا ٥ (سورۃ المعارج: ۱۹۔۲۱)

''بلا شبہ انسان بے ہمت اور لالچی و بخیل پیدا کیا گیا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسے خوشحالی ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

و احضرت الانفس الشح. (سورۃ النساء: ۱۲۸)

''اور انسانی طبیعتوں میں بخل رکھ دیا گیا ہے۔''

اس لئے اس نے صرف ترغیب و تحریص پر اکتفا نہیں کیا اور محض انفرادی و اختیاری صدقہ و احسان پر انحصار کر کے معاشرے کے تنگ دست، مجبور، محروم المعیشت، زندگی کی دوڑ میں کسی طرح پیچھے رہ جانے والے اپاہجوں کمزوروں اور نادار افراد کو اہل ثروت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا بلکہ ان کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے اہل ثروت کے مالوں میں قانونی طور پر غرباء کی مالی اعانت کے لئے کچھ لازمی حقوق رکھے ہیں۔ اور اللہ کے نائب یعنی خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ اہل ثروت اگر از خود ان حقوق کو ادا نہیں کر رہے تو ان کی ادائیگی پر انہیں قانوناً مجبور کرے۔

اصحابِ ثروت لوگوں کے اموال میں واجبی اور لازمی حقوق میں سب سے بڑا اہم اور ضروری حق ''زکوٰۃ'' ہے جسے نبی اکرم نے اسلام کا ایک ''بنیادی رکن'' قرار دیا ہے۔ جسے تسلیم کئے

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی: امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

بغیر کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا جسے ہر قیمت پر وصول کیا جاتا ہے۔ اور جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں آخرت کے دردناک اور دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کا اولین مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے ذریعے فقراء و مساکین کی تنگدستی اور محتاجی کا ایسے باعزت طریقے سے علاج کیا جائے جس سے ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ زکوٰۃ کے ہشتگانہ مصارف میں فقراء و مساکین کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ بعض مقامات پر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا مصرف ہی یہ بتایا ہے کہ اسے فقراء و مساکین پر خرچ کیا جائے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا:

تؤخذ من اغنیاء هم و ترد علی فقراء هم. (۱)

''یہ زکوٰۃ ان (اہل یمن) کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور وہاں کے فقراء پر خرچ کر دی جائے گی۔''

نقد روپیہ، مال تجارت، سونا چاندی، زرعی پیداوار اور مویشی پر سال میں ایک دفعہ مقررہ شرح سے زکوٰۃ کے علاوہ ایک دوسری قسم کی زکوٰۃ بھی ہے جو افراد اور اشخاص پر لگتی ہے اسے زکوٰۃ فطرہ یا فطرانہ کہتے ہیں۔ یہ واجب زکوٰۃ اختتام رمضان اور عیدالفطر کے آنے پر عائد ہوتی ہے۔ صدقۃ الفطر کے واجب کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے مساکین کے کھانے پینے اور انہیں عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کا اہتمام کیا جا سکے۔ (۲)

علاوہ ازیں غرباء و مساکین ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی مالی اعانت کے لئے اسلام نے اور بھی کئی ایک واجبی اور لازمی شکلیں متعین کی ہیں مثلاً قسم توڑنے کی کفارے کی ایک شکل ہے۔

فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم.

(سورۃ المائدہ: ۸۹)

''سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا۔''

اسی طرح ظہار کے کفارے اور رمضان کا روزہ توڑنے کی سزا کے طور پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ علی ہذا القیاس مناسک حج کے دوران بعض کوتاہیوں پر ''دم'' کے نام سے مالی جرمانے اور عیدالاضحیٰ کے دن اصحاب ثروت پر قربانی کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ دفینوں اور مالِ غنیمت میں خمس، مال فی اور غیر مسلم رعایا پر جذیہ اور خراج وغیرہ سب غرباء کی مالی اعانت کے

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

ذریعے ہیں۔ ان تمام چیزوں کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل تو ہمارے موضوع سے خارج ہیں تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ ان تمام شرعی احکام سے مقصود غرباء و مساکین کی مالی حالت کو سدھارنا، بہتر بنانا اور معاشرے میں انہیں ایک باعزت مقام دلوانا ہے۔ اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مندرجہ بالا ذرائع آمدن کو بروئے کار لا کر غرباء و مساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معقول گزران اور بسر اوقات کا انتظام کرے۔ اور اس کی حدود کے اندر بسنے والا انسان تو کجا کوئی ذی روح اور جاندار بھی بھوکا نہ مرے۔ اسلام کے نامور اور مایہ ناز خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی ریاست اور اسلامی حکومت کے معاشی مقاصد کو اپنے ایک مختصر قول میں جس عمدگی سے واضح کیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی وضاحت نہیں ہوسکتی۔ فرمایا:

لو مات جمل جیاعا علی شط الفرات الخشیت ان یسألنی اللہ عنه. (۱)

''اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بھی بھوکا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلبی کرے گا۔''

زکوٰۃ کے علاوہ حق:

مندرجہ بالا تمام لازمی اور واجبی ذرائع و وسائل کو بروئے کار لانے کے باوجود بھی اگر معاشرے کے ضرورت مند اور مفلوک الحال لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو رہی ہوں تو اسلام اس بات کو جائز قرار دیتا ہے اور اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اصحابِ ثروت کے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگائے جائیں۔ کیونکہ مال میں صرف ''زکوٰۃ'' ہی لازم نہیں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ سورۃ الذاریات میں متقین کے اوصاف اور مدح بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

و فی اموالھم حق للسائل و المحروم (الذاریات:۱۹)

''اور ان کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا حق رہتا ہے۔''

اس آیت کے ماتحت امام رازی، قرطبی اور علامہ آلوسی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہاں حق سے مراد ''زکوٰۃ'' نہیں بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے جس پر ان کی مدح و ثناء کی جا رہی ہے ورنہ ''زکوٰۃ'' تو کوئی امتیازی وصف نہیں یہ تو سارے مسلمان دیتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی مالدار آدمی پر مزید انفاقِ مال کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول

کی صراحت فرما دی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہیں کہ آنجناب علیہ التحیۃ والتسلیم سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان فی المال لحقاً سوی الزکوٰۃ (۱)

"بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔"

اس کے بعد بطور استدلال آپ نے سورۃ البقرہ کی آیت لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الخ (آیت: ۱۷۷) تلاوت فرمائی۔ کیونکہ اس آیت میں "وَ اٰتَی الزَّكٰوةَ" کا عطف "اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ" پر ہے اور ظاہر ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمیشہ مغائرت ہوا کرتی ہے۔ دوسرے اس آیت میں پہلے خویش و اقارب یتامیٰ اور مساکین کو مال عطا کرنے کو نیکی کہا گیا ہے اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے جو بجائے خود نیکی اور تقویٰ کے عناصر و ارکان ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خویش و اقارب اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنا زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

مزید انفاق کی حدود:

رہا یہ سوال کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اہل ثروت پر مزید انفاق کی کیا حدود ہیں؟ تو اس سلسلے میں قرآن نے اصول یہ بتایا ہے کہ مزید انفاق کا تعلق ذاتی املاک و اموال کے صرف اسی حصے سے ہے جو انسان کی اپنی، اپنے اہل عیال اور اپنے زیر کفالت لوگوں کی ضروریات سے فاضل ہو۔ شریعت کے کسی حکم میں تنگی نہیں۔ تکلیف مالایطاق اسلام کا مزاج ہی نہیں۔ کوئی آدمی اس بات کا قطعاً مکلف نہیں کہ وہ اپنے بال بچوں اور اپنے زیر کفالت لوگوں کو بھوکا پیاسا چھوڑ کر اور انہیں بھیک منگا بنا کر دوسرے اہل حاجت کی حاجت روائی اور صدقہ و خیرات میں مصروف ہو اور خود در بدر بھیک مانگتا پھرے۔ یہ حوصلہ ہر انسان کا نہیں ہوسکتا ہے۔ عام اصول یہ ہے:

و یسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو ط (سورۃ البقرہ: ۲۱۹)

"اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں آپ فرما دیں کہ جو کچھ (تمہاری اپنی ضروریات سے) فاضل ہو۔"

۱۔ ترمذی شریف ابواب الزکوٰۃ، ص ۱۱۹، طبع نور محمد کراچی۔

اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت حکم زکوٰۃ سے منسوخ ہے تاہم کئی علماء کا کہنا ہے کہ

ھی محکمۃ و فی المال حق سوی الزکوٰۃ (۱)

یعنی یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اس کا ثبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

امام ابو عبید القاسم بن سلام جنہیں اسلامی معاشیات اور مالیات میں ایک سند کا درجہ حاصل ہے، نے بھی کتاب الاموال حصہ دوم اردو ترجمہ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کے صفحہ نمبر ۹۳ تا نمبر ۹۶ میں آیات و احادیث فقہاء صحابہ اور فقہاء تابعین کے حوالے سے اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ امراء کے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غرباء کے حقوق ہیں تفصیل اور مزید اطمینان کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

علمی دنیا کی ایک اور معروف اور نامور شخصیت علامہ یوسف القرضاوی نے امام رازی کے حوالے سے اغنیاء کے فاضل اموال میں فقراء کے حق کا کیا تعلق ہے اور کیوں ہے؟ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قابل مطالعہ ہے لکھتے ہیں:

> "پہلی بات یہ ہے کہ کسی انسان کو اگر بقدرِ ضرورت مال مل جائے تو وہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اسے اپنے قبضے میں رکھے، کیونکہ دوسرے ضرورت مندوں کی طرح اسے بھی مال کی ضرورت ہے پر اس صورت میں صاحبِ مال کا حق دوسروں پر مقدم ہے۔ البتہ جب مال اس کی ضرورت سے زائد ہو اور کوئی دوسرا حاجتمند انسان بھی موجود ہو، تو یہاں دو اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ جہاں تک مال کے مالک کا تعلق ہے اس نے حصولِ مال میں چونکہ محنت و کوشش کی ہے اس لئے اس کا اپنے مال کے ساتھ ایک دلی تعلق ہے اور جہاں تک غریب و محتاج کا تعلق ہے، اسے چونکہ مال کی ضرورت ہے اس لئے وہ بھی مال کے ساتھ ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ جب یہ دو متضاد اسباب اکٹھے ہو جائیں تو پھر حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں اسباب میں ہر سبب کا امکان بھر لحاظ رکھا

۱۔ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۳: ۶۱۔۶۲، طبع قاہرہ۔

جائے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ مالک کو چونکہ اپنے مال پر حق اکتساب اور دلی تعلق کا حق حاصل ہے اور فقیر بے نوا کو صرف حقِ احتیاج، لہٰذا ہم مالک کے حق کو اس حد تک ترجیح دیں گے کہ اسے مال کے بیشتر حصے پر قابض رہنے دیں گے اور غریب کو اس میں سے ایک حصہ دلوائیں گے تاکہ دونوں کو تاحدامکان مطمئن کیا جاسکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مالدار اپنی اصلی ضروریات سے زیادہ مال کو روکے رکھے اور مال جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس سے پورا نہ کیا جائے تو یہ ایک طرح سے اللہ کی حکمت تکوینی کو ظہور پذیر ہونے سے روکنے کی کوشش ہوگی جو بالکل جائز نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مال کا ایک حصہ غریبوں کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ یہ حکمتِ الٰہی معطل نہ ہوکر رہ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فقراء و مساکین اللہ کا کنبہ ہیں اور امراء و اغنیاء اللہ کے خزانچی ہیں کیونکہ ان کے پاس جو مال ہے وہ سب اللہ کا ہے اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ کوئی مالک اپنے خزانچی سے کہے کہ میرے خزانے میں سے کچھ مال میرے کنبے کے غرباء و مساکین کو دے دے۔(۱)

اپنی اصل ضرورت سے زائد مال میں غرباء و مساکین کے ''حق'' کے پائے جانے کے بارے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا نے ایک عقلی اور منطقی دلیل دی ہے۔ یہ دلیل بھی انتہائی قابل توجہ ہے، فرماتے ہیں:

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان ''خلق لکم ما فی الارض جمیعًا'' تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس ہے اور کوئی شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں۔ بلکہ ہر شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع و حصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا

۱۔ مشکلۃ الفقر و کیف عالجھا الاسلام (اردو ترجمہ)، ص۸۲، طبع البدر پبلیکیشنز، لاہور۔

گیا اور جب تلک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تلک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہئے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء وصلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے۔ چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ و تابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہرکیف غیر مناسب و خلافِ اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجۃ سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک ''من وجہ'' اس میں موجود تو گویا شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض و متصرف ہے اور اس کا حال بعینہٖ مال غنیمت کا سا تصور کرنا چاہئے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ کل مال غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت و حصول انتفاع ''بقدر حاجت'' ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہئے (یعنی خائن شمار ہوگا)۔''(۱)

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ:

بينما نحن فى سفر مع النبى صلى الله عليه وسلم اذ جاءه رجل على راحلة له' قال فجعل تصرف بصره' يمينًا و شمالا فقال رسول الله من كان معه فضل ظهر فليعدبه على من لا ظهر له' ومن كان له' فضل من زاد فليعد به على من لا زادله' قال فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منافى فضل (۲)

۱۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام: ۴۲۔۴۳، مطبوعہ دہلی (بحوالہ ایضاح الادلہ: ۶۲۸)

۲۔ صحیح مسلم (کتاب اللقطہ)، ج ۲، ص ۸۱، طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

''ایک دفعہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی اپنی سواری پر سوار آپ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم نے اس کی اس احتیاجی کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادراہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں۔''

یہ روایت سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب حقوق المال میں بھی الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ اس روایت میں 'فلیعد بہ' کے الفاظ بڑے قابل غور اور معنی خیز معلوم ہوتے ہیں۔ ''فلیعط بہ'' یا فلیؤت نہیں فرمایا کہ فاضل سواری یا فاضل توشہ کو اس آدمی کو ''عطا'' کر دو جس کے پاس سواری یا توشہ نہیں بلکہ ''فلیعد بہ'' کے الفاظ سے حکم دیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ فاضل چیز کو ''لوٹا دے'' اور کسی شے کو کسی کی طرف ''لوٹانے'' کا مطلب یہی ہے کہ وہ چیز اسی آدمی کے پاس سے آئی ہوئی تھی۔

یہ بات اوپر واضح ہو چکی ہے کہ فرد کی ضرورت سے زائد مال پر بقدر ضرورت غرباء و مساکین کا حق شرعاً ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے قول و عمل سے اِسی بات کو ترجیح دی ہے اور یہی بات پسند فرمائی ہے کہ مشکل تکلیف تنگی اور عام افلاس میں افراد کو یہ بھول جانا چاہئے کہ ان کے پاس جو زائد از ضرورت مال ہے وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے اور باہم تعاون اور مؤاسات کے ذریعے اللہ کی مخلوق اور اپنے بھائی بندوں کو اس مصیبت اور پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلے کی صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی ایثار و مؤاسات اور ان کے عام معمول کی ایک مثال دیتے ہوئے ان کے عمل کو اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی، فرمایا:

ان الاشعربين اذا ارملوا فى الغزو او قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم فى ثوب و احد ثم اقتسموا بينهم فى اناء واحد بالسوية فهم منى و انا منهم. (۱)

۱۔ بخاری شریف (کتاب الشرکہ)، ج ۱، ص ۳۳۸، طبع کرزن پریس، دہلی۔

''بے شک اشعری قبیلے کے لوگوں کا جب سفر جہاد میں توشہ ختم ہو جاتا ہے یا مدینہ منورہ میں ان کے اہل و عیال کا کھانا کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس (مجموعی طور پر) جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں پھر اسے ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں لہٰذا وہ لوگ مجھ سے ہیں (یا میرے ہیں) اور میں ان میں سے ہوں (اُنکا یہ عمل میرا عمل ہے)''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریات زندگی یا قوتِ لایموت جس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے، کی فراہمی میں مساوات ہی کو پسند فرمایا ہے اور یوں حق معیشت میں اغنیاء اور محروم المعیشت لوگوں کے برابر ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ معروف جدید شاعر احمد شوقی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس غریب پرور پالیسی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

انصفت اهل الفقر من اهل الغنى فالكل فى حق الحياة سواء
فلو ان انسانا تخير ملة ما اختار الا دينك الفقراء
الاشتراكيون و انت امامهم لو لا دعاوى القوم والعلواء

۱۔ ''اے نبی محتشمؐ! آپ نے غریبوں کو اہل ثروت سے پورا پورا انصاف کر کے ان کا حق دلوایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ سارے انسان (غرباء و امراء) حق زندگی میں برابر ہیں۔ حق معیشت میں ان کے درمیان کوئی تفاوت نہیں۔

۲۔ اگر کوئی آدمی اپنی مرضی سے کسی دین کو اختیار کرے تو یہ بات یقینی ہے کہ کم از کم فقیر لوگ تو آپ کے دین ہی کو اختیار کریں گے۔

۳۔ اشتراکی اور سوشلسٹ لوگ اگر بے جا دعوے نہ کریں اور اپنے فلسفے میں غلو سے کام نہ لیں تو آپ ان کے امام ہیں۔''

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ استطاعت مہاجرین و انصار کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ جن لوگوں کے پاس مال نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی قریبی عزیز ہے تو وہ کہاں جائیں؟ فرشتے تو ان کی ضروریات کا انتظام نہیں کریں گے وہ تمہارے مسلمان بھائی ہیں لہٰذا ان بے سہارا لوگوں کی امداد کرو۔ انہیں اپنے ساتھ ملاؤ اور اس طرح ان کی تنگدستی اور مفلوک الحالی کا علاج کرو۔ امام غزالی کی ''الاسلام والمناہج الاشتراکیۃ'' کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر

کیا آپ کو معلوم ہے کہ : ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے۔

عن جابر بن عبدالله انه قال النبی صلی الله علیه وسلم : یا معشر المهاجرین والانصار ان من اخوانکم من لیس له مال ولا عشیرة فلیضم احدکم الیه الرجلین والثلاثة قال جابر فضممت الی اثنین او ثلاثة ومالی الا عقبة کعقبة احدهم من جملی. (۱)

''حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے مہاجرین و انصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے (کہ ان کی نگہداشت کرے لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایک آدمی ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک کرے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملا لیا حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ:

ان اصحاب الصفة کانوا ناسا فقراء و ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من کان عنده طعام اثنین فلیذهب بثالث ومن کان عنده طعام اربعة فلیذهب بخامس او سادس. (۲)

''اصحابِ صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (اصحابِ صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی عادلانہ، منصفانہ اور ہمدردانہ پالیسی پر بوقت ضرورت صحابہ کرام نے بھی عمل کیا۔ یعنی جب کچھ لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد تھا اور بعض ایسے تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا تو ایسے حالات میں پیش آمدہ مشکل اور تنگی سے نکلنے کے لئے فاضل

۱۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت: ۲: ۲۲۷، طبع اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۶۸ء۔

۲۔ ابن حزم: المحلی، جلد ۳، ص ۴۵۴، مسئلہ نمبر ۷۲۵، طبع مصر۔

سامان یا خوراک میں سب برابر کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو اس لشکر کا امیر فرمایا یہ لشکر تین سو افراد پر مشتمل تھا اور میں (جابر بن عبداللہ) بھی ان میں شامل تھا۔ ہم مدینہ منورہ سے چل پڑے راستے میں ایک جگہ ہمارا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے لشکریوں میں سے جس کے پاس جو کچھ زادِ راہ تھا لے کر جمع کر لیا تو یہ کھجور کے دو تھیلے بن گئے۔ آپ ہمیں تھوڑا تھوڑا کر کے روزانہ کھانے کو دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اس دوران ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملا کرتی تھی...... (۱)

زمانۂ قحط میں امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ سال تک اگر قحط سالی ختم نہ ہوئی تو ہر کھاتے پیتے گھرانے میں ان کی تعداد کے برابر مزید مفلوک الحال اور قحط کے شکار افراد کو داخل کر دیں گے تا کہ سب لوگ ہلاکت سے بچ جائیں۔ (۲) یہ الگ بات ہے کہ اللہ کریم نے کرم فرمایا اور قحط سالی دور ہو گئی اور سیدنا فاروق اعظم کو اپنے اس پختہ ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت پیش نہ آئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اور قول ابن حزم نے یوں لکھا ہے:

لو استقبلت من امری ما استد برت الاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین. (۳)

''جس بات کا اندازہ مجھے اب ہوا ہے اگر اس کا اندازہ پہلے سے ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین پر تقسیم کر دیتا۔''

اغنیاء کے اموال میں فقراء کا کتنا حق ہے؟ اور کتنا ضروری ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں اس پر کتنی وعید ہے؟ اس کا اندازہ باب العلم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے کہ:

ان الله تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالهم بقدر ما یکفی فقراء هم فان

۱۔ بخاری شریف، (کتاب الشرکہ)، ج ۱، ص ۳۳۷، طبع کرزن پریس، دہلی۔
۲۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۳، ۳۱۶۔۳۱۷، طبع بیروت، ۱۳۷۷ھ۔
۳۔ ابن حزم: المحلی، جلد ۳، ص ۴۵۵، (مسئلہ نمبر ۷۲۵)، طبع مصر۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

جاعوا او عروا و جهدوا فبمنع الاغنياء و حق على الله تعالىٰ ان يحاسبهم يوم القيامة و يعذبهم عليه. (۱)

اللہ تعالیٰ نے اہل دولت پر ان کے اموال میں ان کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر فقیر لوگ بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوں گے تو اس لئے ہوں گے کہ اغنیاء نے ان کے حق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروزِ قیامت وہ ان (امراء) کا محاسبہ کرے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔

اندلس کے مشہور محدث و فقیہ ابو محمد بن حزم نے ''المحلی'' میں مسئلہ نمبر ۷۲۵ کے تحت آیات احادیث اور آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہوئے اغنیاء کے اموال میں فقراء کے حق اور غرباء کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، کے بارے میں جو حتمی فیصلہ یا فتویٰ دیا ہے وہ قابل دید ہے فرماتے ہیں:

و فرض على الاغنياء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم و يجبرهم السلطان على ذالك ان لم تقم الزكوات بهم ولا فى سائر اموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوتِ الذى لابه منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذالك وبمسكنير كنهم من المطر والصيف والشمس و عيون المارة (۲)

''اگر کسی علاقے کی زکوٰۃ اور مسلمانوں کے اموال فی سے وہاں کے فقراء کی ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہو رہی ہوں تو اس علاقے کے اغنیاء پر فرض ہے کہ وہ فقراء و مساکین کی کفالت کا انتظام کریں اور اگر وہ ازخود ایسا نہیں کرتے تو بادشاہِ وقت انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ لہٰذا فقراء و مساکین کے لئے اتنی خوراک جس کے بغیر چارہ کار نہیں، اتنا لباس جو انہیں سردی و گرمی سے بچا سکے اور اس قدر مکان جو ان کی بارش گرمی، دھوپ اور سیلاب سے حفاظت کر سکے، کا انتظام ہر قیمت پر کیا جائے گا۔''

اس کے بعد ابن حزم نے مصری خط کے تقریباً چار صفحات پر مشتمل قرآن و حدیث اقوال

۱۔ ابن حزم: المحلی، جلد ۳، ص ۴۵۵، (مسئلہ نمبر ۷۲۵)، طبع مصر۔

۲۔ ابن حزم: المحلی، جلد ۳، ص ۴۵۲، طبع مصر۔

☆ امام مالک بن انسؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

صحابہ پر مبنی بڑا جاندار استدلال کیا ہے۔ مزید تفصیل و تحقیق کیلئے اصل کتاب سے رجوع کیا جائے۔

مندرجہ بالا تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے اہل ثروت اور غنی لوگوں کے اموال میں فقراء و مساکین، ضرورت مندوں، حاجت مندوں، بیوگان، یتامیٰ، پاؤ اہجوں، مفلوک الحال محروم المعیشت، تنگدست اور فقر و فاقہ میں مبتلا انسانوں کے بہت سے واجبی اور رضا کارانہ حقوق رکھے ہیں اور ''حق'' وہ چیز ہے جس کا قانوناً مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کریم جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اس نے ہر جاندار کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔ وہ اس ذمہ داری کو اپنے نائب اور خلیفہ کے ذریعہ پورا کرانا چاہتا ہے، جس معاشرے میں معاشی توازن اور اعتدال نہیں۔ جہاں کچھ لوگ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے ہی محروم ہوں۔ جہاں بعض لوگوں کے پاس رمق حیات باقی رکھنے کے لئے ضروری خورد و نوش کا سامان نہ ہو تو ظاہر ہے وہاں کے اہل دولت لوگ (جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قول ابن حزم کے حوالے سے اوپر گزرا) غرباء کی حق تلفی کر رہے ہیں ورنہ ایسی صورت حال پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک جسے اسلام کے نام پہ حاصل کیا گیا تھا، کے اندر جو معاشی ناہمواری، ناانصافی، عدم توازن اور عدم اعتدال نظر آتا ہے، اس کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں کے وڈیرے، سرمایہ دار، جاگیردار، زمیندار، صنعت کار اور بڑے بڑے کاروباری لوگوں پر غرباء و مساکین اور بے سہارا لوگوں کی کفالت کے لئے اضافی ٹیکس تو کجا وہ زکوٰۃ نہ دیں تو بھی ان کی گرفت کے لئے حکومت کے پاس کوئی قانون نہیں۔ بینکوں میں ان حضرات کے کھاتے عموماً ''کرنٹ اکاؤنٹ'' میں ہوتے ہیں اور ''کرنٹ اکاؤنٹ'' میں جمع اربوں کھربوں رقم سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی۔ لے دے کے ''سیونگ اکاؤنٹ'' کے کھاتوں سے ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے مگر ان کھاتوں سے بھی یکم رمضان سے قبل ہی اکثر لوگ زکوٰۃ سے بچنے کی خاطر پیسہ نکلوا لیتے ہیں۔ جہاں اہل ثروت از خود پوری پوری زکوٰۃ نہ دیتے ہوں اور نہ ہی حکومت کے پاس وصولی کا کوئی قانون ہو جہاں کے سرمایہ دار غریب مزدوروں کے خون پسینہ کی راہ سے کمائی ہوئی دولت کو بیرون ملک منتقل کر دیتے ہوں جس پر نہ کوئی زکوٰۃ اور نہ کوئی دیگر ٹیکس بلکہ سود کی شکل میں اضافہ ہی اضافہ ہوتا رہتا ہو، پھر باہر سے امداد کے نام پر جو پیسہ آتا ہو اس کا بڑا حصہ بھی اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے قرضوں کے نام پر یہی سرمایہ دار لے لیتے ہوں اور بعد میں بلیک میلنگ کے ذریعے معاف بھی کرا لیتے ہوں تو وہاں امیر امیر تر اور غریب غریب تر کیوں نہیں ہوگا۔ وہاں سے غربت و

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

افلاس کا خاتمہ کیسے کیا جائے گا؟

ایں خیال است و محال است و جنوں

اللہ کرے ہماری حکومتوں کو اس طرف توجہ ہو اور وہ شریعت کے مطابق ملک کے معاشی نظام کو استوار کریں۔ شریعت یہی چاہتی ہے کہ درجات معیشت میں تفاوت کے باوجود حق معیشت میں مساوات رہے۔ امراء وغرباء میں باہمی ہمدردی خیر خواہی، غمخواری، ایثار اور تکافل وتعاون کی ایسی فضا قائم ہو کہ اسلامی حکومت میں بسنے والا کوئی انسان بغیر کسی تخصیص کے بھوکا پیاسا اور محتاج نہ رہے۔ کوئی آدمی ایسے فقر، تنگدستی اور قلت سے دوچار نہ ہو جس سے بعض اوقات انسان ''احسن تقویم'' سے گر کر ''اسفل سافلین'' میں جا پڑتا ہے جو تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور اخلاقی گراوٹ کا باعث بنتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر شریعت کے مطلوبہ اوصاف اور خوبیاں پیدا نہیں ہو سکتیں جو انسان کو بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے اور جس سے خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عالی ہمت ذات نے پناہ مانگی ہے۔ بہرحال شریعت کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ۔

نکتہ شرع مبیں ایں است و بس
در جہاں محتاج باشد نہ کس

ایک عوامی اسلامی پرچہ .... دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کے سابق طلبہ کا ترجمان

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی

قرآن و سنت، فقہ و تصوف اور تاریخ و سوانح کے علاوہ

متنوع اسلامی عنوانات پر ہر ماہ عمدہ مضامین پیش کرتا ہے۔

زیرِ ادارت

علامہ محمد صحبت خان کوہاٹی .... ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مقامِ اشاعت: دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی کراچی